قلم سے کالم تک

میرا حال چڑیا کے اس بچے کی طرح ہے جو ایک بار گھونسلے سے گر جائے پھر اس کا آشیانہ ہمیشہ کے لیے بدل جاتا ہے۔میں نے صرف 15 سال کی عمر میں گھر سے سفری بیگ اٹھا کر گھر کی دہلیز سے باہر پاؤں رکھا کہ پھر جب بھی کبھی گھر آیا تو ایک مہمان کی طرح جو چند دن بعد صرف یادیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔میٹرک کے بعد ابھی کالج میں جانا شروع ہی کیا تھا کہ پاکستان ایرفورس میں جی ڈی پائلٹ بننے کیلئے دربدر ہوا لیکن قسمت نے پائلٹ تو نہیں البتہ انجینئر ضرور بنا دیا۔اس دور میں پاکستان میں والدین اپنے بچے کو ڈاکٹر یا انجینئر کے روپ میں دیکھ کر اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت تصور کرتے تھے۔میں نے جب حادثاتی طور پر ائیرفورس جوائن کی تو چند دن میں ہی مجھے اس بات کا احساس ہوگیا کہ میں نے جس پیشے کا انتخاب کیا ہے وہ میرے مزاج اور فطرت سے متصادم ہے۔زندگی بھر مجھے اپنی ذات کے لیے ایک بار ہی سفارش کا سہارا لینا پڑا جب میں نے اپنے آپ کو فوجی ہتھکڑی سے آزاد کروایا۔میرے خیال میں ملک وقوم کی خدمت کرنے کے لیے ایسے کام کی ضرورت زیادہ ہے کہ جس کے بعد ہم کو فوج کی ضرورت کم سے کم رہے۔میں بندوق سے نہیں قلم سے اپنے ملک وقوم کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔میری خواہش صحافی یا ٹیچر بننا تھی۔میں بھی پاکستان کے لاکھوں طالب علموں میں سے ایک تھا جو اپنی خواہش اور اہلیت کے مطابق اپنے تعلیمی سفر پر گامزن نہ ہوسکا۔اپنے مقصد کے حصول کے لیے جرنلزم،ایجوکیشن اور فارسی میں گریجوایشن بھی کی مگر صحافی یا معلم بننے کا جنون پورا کرنے کے لیے ایک عدد نوکری درکار تھی جو نہ مل سکی۔ٹیکنیکل تعلیمی پس منظر ہونے کی وجہ سے منسٹری آف ڈیفینس پاکستان کی ڈیسٹولیبارٹریز میں مجبوراً ملازمت اختیار کرلی مگر دل اور دماغ کی 3 سالہ سرد جنگ میں دماغ جیت گیا اور دوسری بہت سی بازیوں کی طرح دل یہ بازی بھی ہار گیا اور میں ڈیسٹولیبارٹریز کو بھی خیر باد کہہ کر گھر آ گیا۔کافی قسمت آزمائی کی مگر کہیں بھی تکمیل جنون کا موقع میسر نہ آسکا۔اسی دوران پاکستان ریلوے میں بھی ٹیلی کیمونیکیشن انجینئر کے لیے بھی میری سلیکشن ہوگئی۔پاکستان ریلوے کا پہیہ گھمانے میں میرے والد محترم بھی حصہ ڈالتے تھے یوں ''موروثی ملازمت'' کرنے پر بھی ذہن راضی نہ ہوا۔پاک آرمی کے ایک پروجیکٹ کے لیے مجھ سمیت 32 انجینئرز کا انتخاب ہوا اور ہم کو ''شاہی خرچے'' پر مزید علم حاصل کرنے کیلئے چین روانہ کردیا گیا۔یوں میری ٹیکنیکل ڈگری کو ایک اور ترکہ لگ گیا۔چین سے ٹریننگ کورس مکمل کرنے کے بعد ہم نے آرمی کے پراجیکٹ پر کام کرنا شروع کر دیا جہاں ہمارے ساتھ درجنوں چینی انجینئرز بھی ہوتے تھے۔4 سال سے زائد عرصہ تک گلے پڑا یہ ڈھول بجاتا رہا۔اس دوران میں نے اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے ایم اے انگلش میں بھی ایڈمشن لے لیا لیکن ایم اے انگلش مکمل کرنے سے پہلے ہی میرا دانہ پانی مجھ کو دیار غیر (جرمنی) لے گیا۔جہاں پر ٹیکنیکل تعلیمی پس منظر ہونے کی وجہ سے مکینیکل انجینئرنگ میں ایڈمشن مل گیا۔یوں اپنے جنون کو ذریعہ معاش بنانے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔تقریباً 12 سال جرمنی میں مقیم رہا اور اس دوران اچھے اداروں میں اعلیٰ عہدوں پر کام کرنے کا موقع بھی ملا۔شاعری اور نثر لکھنے کا شوق جرمنی میں بھی جاری رہا۔اپنا یہ شوق میں نے اردو،پنجابی اور انگلش کے علاوہ جرمن زبان میں بھی پورا کیا۔4 سال قبل میں پردیس میں پھر پردیسی ہوگیا جب میں نے جرمنی سے برطانیہ نقل مکانی کرلی۔یہاں آ کر سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا

کہ مجھے 23 سال بعد اپنے ماں باپ کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ یہاں پہنچ کر میرا جنون جس پر ماہ سال کی گرد پڑ چکی تھی پھر جواں ہو گیا۔ میرے والدین عمرے کے لیے جا رہے تھے تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تمھارے لیے خانہ خدا میں کونسی دعا کی جائے؟ میں نے کہا کہ دعا کریں کہ میرا جنون ہی میرا ذریعہ معاش بن جائے۔ میری والدہ محترمہ نے مجھے کہا کہ بیٹا ہمت نہیں ہارتے اور کوشش جاری رکھتے ہیں اگر تم چار دہائیاں گرزنے کے بعد بھی اپنی منزل پر پہلا قدم نہیں رکھ سکے تو کیا ہوا۔ جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بنائی ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے چالیس سال بعد نبوت عطا کی اس میں ہمارے لیے ایک پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے کہ اس دن کے بعد میری قلم ایک توانا گھوڑے کی مانند دوڑنا شروع ہو گئی۔ گزشتہ برس اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور والدین کی دعاؤں کے علاوہ چند مہربان دوستوں کے تعاون سے میرا پہلا شعری مجموعہ ''خواب آنکھوں میں ٹوٹ جاتے ہیں'' شائع ہوا۔ جس میں اردو، پنجابی کی شاعری کے علاوہ نثر کے چند نمونے بھی شامل تھے۔ میری اس کتاب کو منظر عام پر لانے میں میرے بہنوئی اور دوست میر تنویر جو خود بھی اچھے قلم کار ہیں اور لندن میں ہی مقیم ہیں اور پاکستان کے معروف دانشور، شاعر، کالم نویس اور صحافی جناب خواجہ جمشید امام کا بہت تعاون تھا۔ خواجہ جمشید امام بھی میری طرح کشمیری النسل ہیں۔ کتاب کے حوالے سے ان کے ساتھ چند بار فون پر بات ہوئی تو تعلق دوستی میں بدل گیا۔ انہوں نے میری نثر کی تعریف کی اور مجھے نثر لکھتے رہنے کو کہا۔ گزشتہ برس فروری میں پہلی بار عمران خان پر ایک آرٹیکل ''اکیلا یا اک یلا'' کے عنوان سے لکھ کر خواجہ جمشید امام صاحب کو بھیجا تو تین دن بعد مجھے ای میل موصول ہوئی جس میں میرے آرٹیکل کو روزنامہ ''دن'' لاہور کے ادارتی صفحہ پر شائع کیا گیا تھا۔ جس کا ''لوگو'' اپنی زندگی گھر اور ملک سے باہر گزارنے کی وجہ سے ''جلاوطن'' رکھا۔ اپنا پہلا کالم دیکھ کر میرے دل کے تار بج اٹھے ایسا لگا جیسے نغموں کی برسات ہو رہی ہو۔ خواجہ جمشید امام صاحب ان کالم نویسوں میں سے ایک ہیں جن کا قاری زیادہ تر نوجوان طبقہ ہیں۔ جب اتنے سینئر صحافی اور کالم نویس نے میرے کالم پر اپنی اچھی رائے دی تو مجھے اپنی منزل کا تعین ہوتا دکھائی دینے لگا۔ میری والدہ خود پنجابی ادب کے حوالے سے کمال ذوق کی مالکہ ہیں۔ میری خوش قسمتی یہ ہے کہ لکھ کر سب سے پہلے ماں جی کو ہی پڑھنے کے لیے دیتا ہوں جو اصلاح کرنے کے ساتھ دعا بھی کرتی ہیں اور حوصلہ بھی بڑھاتی ہیں۔ ان کی تربیت میں سچ بولنا، سچ پر قائم رہنا اور حق سچ کا ساتھ دینا بنیادی جزو ہے۔ لہذا اپنی بہترین عقل سے آج تک جو بھی لکھا کوشش کی کہ وہی لکھوں جس کو میں سچ سمجھتا ہوں اور جیسا کہ خواجہ جمشید امام نے اپنے ایک قلم میں سچ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''سچ ہمیشہ نتائج کے حوالے سے ہوتا ہے جس عمل کے نتیجہ میں خیر اور بھلائی برآمد ہو وہ سچ ہے اور جس عمل کے نتیجہ شر اور خون ریزی ہو جائے وہ جھوٹ ہے''۔ میں سچ کی اس تعریف سے سو فیصد متفق ہوں۔ سیف و قلم میں سے میں نے قلم کو اس لیے اپنے پیشے کیلئے ہمیشہ افضل سمجھا کیونکہ قلم کے جہاد سے ہم اپنے آپ کو اتنا مضبوط کر سکتے ہیں کہ ہم کو شمشیر زنی کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ قلم کی اہمیت کا اندازہ تو اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کی سب سے معتبر اور بار بار پڑھی جانے والی کتاب قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے " قلم" کی قسم کھائی ہے۔ اس کا سماجی تبدیلی سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ کالم نویسی سے میں اپنا صرف شوق ہی پورا نہیں کرتا بلکہ اپنے 27 سالہ تجربے اور دربدری کو بنیاد بنا کر جس میں بہت سے ممالک میں جانے کا اتفاق بھی ہوا اپنا نقطہ نظر عوام الناس کے سامنے رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک سال میں میرے جتنے کالم، ایڈیشن یا بلاگ شائع ہوئے وہ ایک کتاب کی شکل میں

آپ کے سامنے ہیں۔ظاہر ہے تنقید ہی وہ راستہ ہے جس سے قلم زور پکڑتی ہے۔میں نے کالم لکھنا اس لیے شروع کیا کیونکہ میں اسے سماجی تبدیلی کا بہترین ذریعہ خیال کرتا ہوں۔ مجھے نثر لکھنے میں زیادہ راحت محسوس ہوتی ہے۔کالم نویسی کو میں نثر کی اعلی ترین قسم سمجھتا ہوں جس میں ہم زبان و بیان کی مکمل شناسائی کے ساتھ قاری تک اپنے خیالات پہنچا دیتے ہیں۔موجودہ دور میں کالم نگاری قلمی جہاد کا اہم ترین ذریعہ ہے۔حق کی اس جنگ میں اپنا کردار احسن طریق سے نبھانے کے لیے کالم نویسی کے شعبہ کو اپنایا ہے اور انشاءاللہ زندگی بھر یہ قلمی جہاد جاری رہے گا۔میری ماں نے مجھے قلم پکڑنا سکھایا اور زمانے نے مجھے کالم لکھنا سکھا دیا میں دونوں کے سامنے ہمیشہ دوزانو رہوں گا۔

تحریر.....سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

2فروری2012